امریکی گستاخانہ فلم
کی حقیقت اور اکیسویں صدی کے تقاضے

تحریر : **محمد امداد حسین پیرزادہ** (بانی و پرنسپل جامعہ الکرم برطانیہ)

اسلام کی بنیاد قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب ہے اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کی عملی تفسیر ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے پہلے چالیس سال قرآن بن کے دکھایا اور آخری ۲۳ سال قرآن پڑھ کے سنایا۔ گویا آپ چلتا پھرتا اور بولتا قرآن ہیں۔ اسلام کے مخالفین کبھی قرآن اور کبھی صاحب قرآن کو تنقید کا نشانہ بنا کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابھی ماضی قریب کی بات ہے کہ رشدی کی شیطانی کتاب کے بعد ڈنمارک میں توہین آمیز خاکے، پھر ہالینڈ میں فتنہ فلم، پھر امریکہ میں قرآن مجید کی توہین اور اب پھر امریکہ میں گستاخانہ فلم۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں سے یہ سلسلہ جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہم متحد ہو کر اور اسلام پر عمل کرتے ہوئے اقتصادیات، میڈیا، سائنس اور ٹیکنالوجی جیسے جدید علوم میں ترقی نہیں کریں گے۔

یہود کی تعداد ڈیڑھ کروڑ سے کم ہے اور ان کے پاس صرف ایک چھوٹا سا ملک (یعنی اسرائیل) ہے مگر وہ اپنی یہودیت پر قائم رہتے ہوئے جدید علوم میں ترقی کی وجہ سے مہذب قوم سمجھے جاتے ہیں اور ہولوکاسٹ کے متعلق تنقید پر پابندی ہے۔ اور مسلمانوں کی تعداد ایک ارب اور ۵۰ کروڑ سے زیادہ ہے اور ان کے آزاد ممالک کی تعداد پچاس سے زائد ہے مگر اسلامی اقدار اور جدید علوم میں کمزوری کی وجہ سے مسلمان دہشت گرد ہیں اور اسلام پر تنقید کی کھلی آزادی ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین کے لئے جو حربے استعمال کئے گئے ہیں، یہ فلم بھی اگرچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے مگر اس فلم نے بددیانتی، دھوکہ بازی اور غلط بیانی کے گزشتہ سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ اسلام کے گزشتہ

ناقدین نے بعض عبارات کو سیاق وسباق سے نکال کر اوران کی اصل عبارت کو توڑ مروڑ کران کی غلط ترجمانی کی کوشش کی ہے مگراس فلم ساز نے تو بے پر کی اڑائی ہیں اور بے حیائی، شدت پسندی اورتہذیب سے گری ہوئی ایسی باتیں ہمارے پیارے نبی ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں جوانسانی حقوق کی بدترین خلاف ورزی اوراخلاقی دہشت گردی ہیں۔

اس فلم کا پس منظر

جس طرح اس فلم کا مواد قابل اعتراض ہے اسی طرح اس کا پس منظر بھی قابل اعتراض ہے۔ اس فلم کا نام Innocence of Muslims (مسلمانوں کی معصومیت) رکھا گیا ہے۔ اس فلم سے ۱۴ منٹ کے کچھ حصے جولائی ۲۰۱۲ء میں یوٹیوب پر جاری کیے گئے اوران کو Muhammad Movie Trailer کا نام دیا گیا۔

فلم ساز نے اپنے لئے سام باسل (Sam Bacile) کا نام استعمال کیا مگر اب نیکولا باسیلے نیکولا (Nakoula Basseley Nakoula) کے نام سے اس کی شناخت کی گئی ہے۔ وہ مصری عیسائی ہے اوراب کیلی فورنیا (امریکہ) میں مقیم ہے۔ وہ بینک فراڈ کی وجہ سے امریکہ میں قید کردیا گیا تھا۔ ۲۰۱۱ء میں اس کو رہا کیا گیا مگراب اس کو دوبارہ گرفتار کرلیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس نے گستاخانہ فلم بنا کر ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی دلآزاری کی ہے بلکہ اس لئے کہ اس نے رہائی کی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے۔ جج نے اس کو ضمانت پر رہا کرنے سے انکار کردیا ہے کیونکہ اس نے ماضی میں اپنی شناخت چھپانے کی کوشش کی تھی۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس فلم کا اصلی نام Desert Warrior (صحرائی جنگجو) تھا۔ اوراس فلم میں کام کرنے والے اداکاروں نے اس فلم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ فلم ساز نے انہیں دھوکہ دیا ہے اور بعد میں فلم کے الفاظ اورآوازوں کو بدل دیا ہے بلکہ ایک اداکارہ نے تو اس فلم ساز کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا بھی اعلان کردیا ہے۔

فلم کا مواد

یہ فلم بڑی دہشت انگیز اورنفرت انگیز ہے۔ اس میں دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم نبی اورمسلمانوں کے بہت ہی مقدس اور محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین کی گئی ہے۔

اس فلم میں ایک ایسا کرپٹ انسان دکھایا گیا ہے جو طاقتور اور دولت مند ہے اوراس کی دولت کی وجہ سے ایک باپ اس کو اپنی Young Daughter کا رشتہ پیش کرتا ہے، اس کی کئی بیویاں ہیں مگر وہ بدکردار ہے، اس کی گرل فرینڈ بھی ہے اوروہ نیم عریاں حالت میں نیم عریاں عورتوں کے ساتھ عیاشی بھی کرتا ہے، اس لئے اس کی بیویاں اس سے تنگ ہیں اورسلیپرز کے ساتھ اس کی پٹائی کرتی ہیں۔ وہ Child Molester یعنی child abuse کرتا ہے، وہ Homosexual بھی ہے اوروہ Bastard بھی ہے یعنی اس کا باپ بھی نامعلوم ہے۔ اورستم ظریفی یہ ہے کہ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ فلم ساز نے اس کرپٹ شخص کو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف منسوب کردیا ہے۔ حالانکہ گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں میں کسی بدترین دشمن نے بھی ہمارے پیارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر ایسے

من گھڑت الزام نہیں لگائے۔ اگرچہ یہ سارے کرتوت آج مغربی کلچر میں پائے جاتے ہیں مگر مغرب کا کوئی مہذب انسان ان الفاظ کو اپنے لئے برداشت نہیں کرتا، چہ جائیکہ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ جیسی تاریخ انسانیت کی صادق، امین، معصوم اور فقید المثال ہستی کے لئے ایسے گھٹیا الفاظ استعمال کئے جائیں۔ دراصل یہ فلم ساز کے اپنے کردار اور گھٹیا تخیلات کی عکاسی ہے۔ جس کی جتنی بھی زیادہ مذمت کی جائے پھر بھی کم ہے۔

ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ محترم حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی ذات گرامی ہے اور ہر مسلمان پر آپ ﷺ کی تعظیم لازم ہے۔ آپ ﷺ کی تعظیم کے چند پہلو ملاحظہ فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم قرآن مجید کی روشنی میں

﴿بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا تاکہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو، اور صبح و شام کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔﴾ (قرآن: ۴۸: ۸-۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم حدیثِ پاک کی روشنی میں

حضرت ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس سے گزرے اور وہ نماز پڑھ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو بلایا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نماز پڑھی اور پھر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں میرے پاس حاضر ہونے سے روکا؟ میں نے عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب رسول اللہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔ قرآن: ۸: ۲۴﴾ (ابوداؤد: ۱۴۵۸: کتاب الصلوٰۃ: باب ۳۵۱) فقہائے کرام نے اس آیت اور حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور نبی کریم ﷺ اس کو بلائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ نماز چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ (تفسیر روح المعانی: سورہ انفال: زیر آیت نمبر ۲۴) ویسے بھی نبی کریم ﷺ کو سلام کرنا نماز کا حصہ ہے جیسا کہ ہر نمازی اپنی نماز کے دوران نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے "السلام عليك ايها النبي ورحمة الله و بركاته" کہتا ہے۔ (خصائص کبریٰ: جلد دوم: ص ۲۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے متعلق اہل بیت اور صحابہ کرام کا طرزِ عمل

۱۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی جب واپس مکہ گیا تو اس نے قریش کو کہا: ''اے میری قوم! خدا کی قسم! میں قیصرو کسریٰ اور نجاشی وغیرہ کئی بادشاہوں کے پاس وفود لے کر گیا ہوں۔ بخدا میں نے کسی بادشاہ کی ایسی تعظیم نہیں دیکھی جیسی محمد ﷺ کے اصحاب حضرت محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب بھی آپ ﷺ تھوکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اس کو اپنی ہتھیلی پر لے لیتا پھر اس لعاب کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا اور جب آپ ﷺ کسی کام کا حکم دیتے تو سب اس کام کو کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے اور جب آپ ﷺ وضو کرتے تو آپ ﷺ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لئے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹ پڑتے جیسے وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپ ﷺ بات کرتے تو آپ ﷺ کے سامنے سب خاموش ہو جاتے اور آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے آپ ﷺ کو گھور کر نہیں دیکھتے۔'' (بخاری: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲: کتاب الشروط: باب ۱۵)

۲۔ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوتیں تو نبی کریم ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان (کے سر) کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے اور نبی کریم ﷺ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ نبی کریم ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ ﷺ کے (دستِ مبارک) کو بوسہ دیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ترمذی: ۳۸۷۲: ابواب المناقب: باب ۶۰)

۳۔ حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہم نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں چومنا شروع کر دیئے۔'' (امام بخاری: الادب المفرد: ص ۲۸۸)

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ہاتھ چوما کرتے تھے اور تابعین جو حضور اکرم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان ہاتھوں کو چوما کرتے تھے جن ہاتھوں نے حضورِ اکرم ﷺ کے ہاتھوں میں بیعت کی تھی۔ ایک دن حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کو اپنے ہاتھ سے چھوا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو چوم لیا۔ (امام بخاری: الادب المفرد: ص ۲۸۸۔۲۸۷)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھتے، گفتگو فرماتے اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور (اس وقت تک) کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم دیکھتے کہ آپ ﷺ ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک کے گھر میں داخل ہو گئے ہیں۔ (ابوداؤد: ۴۷۷۵: کتاب الادب: باب ۱)

۶۔ علامہ حلبی نقل کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوتے اور نعلین مبارک اتار دیتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیتے اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو نعلین مبارک پہناتے۔ (السیرۃ الحلبیۃ: جلد ۳: ص ۴۵۵)

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم

قاضی عیاض لکھتے ہیں: وفات کے بعد بھی نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات میں لازم تھی۔ ابوابراہیم نے کہا: ہر مؤمن پر واجب ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو وہ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے اوپر ایسی باادب کیفیت طاری کرے جیسے وہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہے۔ (شرح شفا: جلد دوم: ص ۷۱) قاضی عیاض آگے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں: بنی عباس کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور نے مسجد نبوی میں امام مالک رضی اللہ عنہ سے بحث کرتے ہوئے اپنی آواز بلند کی۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ خلیفہ ابوجعفر نے امام مالک کی بات کو تسلیم کرلیا اور پوچھا: جب میں رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ شریف میں کھڑا ہو کر دعا کروں تو آپ ﷺ کی طرف منہ کروں یا قبلہ کی طرف منہ کروں؟ امام مالک نے فرمایا: آپ رسول اللہ ﷺ سے اپنا رُخ کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ آپ کے اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کی طرف منہ کیجئے اور آپ ﷺ سے شفاعت طلب کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، آپ کے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا پاتے۔﴾ (قرآن: ۴:۶۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعظیم

امام مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن مسیّب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ پس وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر حدیث بیان کی (اگرچہ وہ بیمار تھے اور انہیں اٹھ کر بیٹھنے میں تکلیف بھی ہوئی)۔ سائل نے کہا: میری خواہش تو یہی تھی کہ آپ اٹھ کر بیٹھنے کی تکلیف نہ کرتے (کیونکہ آپ بیمار ہیں)۔ آپ نے کہا: میں نے اس کو ناپسند کیا کہ میں لیٹ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں۔ (شرح شفا: جلد دوم: ص ۷۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار وتبرکات کی تعظیم

☆ حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں: میں نے عَبیدہ سے کہا: ہمارے پاس نبی کریم ﷺ کا بال مبارک ہے، جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے یا ان کے گھر والوں کی طرف سے پہنچا ہے۔ عبیدہ نے کہا: میرے پاس نبی کریم ﷺ کے بال مبارک کا ہونا مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری: ۱۷۰: کتاب الوضوء: باب ۳۳)

☆ حضرت ثابت بُنانی بیان کرتے ہیں: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بال مبارک ہے، (میری موت کے بعد) اس کو میری زبان کے نیچے رکھنا۔ راوی بیان کرتا ہے: میں نے بال مبارک ان کی زبان کے نیچے رکھا اور ان کو جب دفن کیا گیا تو موئے مبارک ان کی زبان کے نیچے تھا۔ (الاصابہ: ابن حجر عسقلانی: جلد اول: ص ۱۱۲)

☆ جنگِ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید ﷜ کی ٹوپی گم ہوگئی۔ انہوں نے مجاہدین کو کہا کہ اس کو تلاش کرو۔ بعد از تلاشِ بسیار وہ ٹوپی مل گئی (اس پر مجاہدین نے اعتراض کیا کہ جنگ کی شدت میں اس بوسیدہ ٹوپی کی تلاش چہ معنیٰ دارد؟) تو حضرت خالد بن ولید ﷜ نے کہا کہ اس ٹوپی میں حضورِ اکرم ﷺ کا بال مبارک ہے اور میں جس جنگ میں بھی اس ٹوپی کے ساتھ شریک ہوا مجھے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ (مستدرک: امام حاکم: ۵۲۹۹: جلد۳: ص ۳۳۹: مناقب خالد بن ولید ﷜)

☆ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نبی کریم ﷺ کا موئے مبارک تھا جس کو وہ اپنے لباس میں رکھتے تھے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری: ابن حجر عسقلانی: مقدمۃ: ۴۸۱)

☆ حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ ان مقامات کی زیارت کرنے کے لئے جاتے جہاں نبی کریم ﷺ نے کبھی نماز ادا فرمائی اور اس درخت کو بھی پانی دیتے کہ کہیں سوکھ نہ جائے جس درخت کے نیچے نبی اکرم ﷺ نے آرام فرمایا تھا۔ (کنز العمال: جلد۱۳: حدیث نمبر ۳۷۲۵۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

اسلام میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی وقار اتنی اہم ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک وہ آپ ﷺ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑی سخت وعید نازل فرمائی ہے کہ جو شخص اپنے باپ دادا، بیوی بچے، گھر بار اور مال و متاع کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا انتظار کرے۔ (قرآن: ۹: ۲۴) اس سلسلہ میں دو احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

☆ حضرت انس ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اسے اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ (بخاری: ۱۵: کتاب الایمان: باب ۸)

☆ حضرت زُہرہ بن معبد ﷜ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب ﷜ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر ﷜ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے آپ اپنے نفس کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر ﷜ سے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (تو اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا) جب تک تو مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے تو حضرت عمر ﷜ نے عرض کیا: پس اللہ تعالیٰ کی قسم! اب آپ مجھے میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب اے عمر (تم کامل مومن ہو!)۔ (بخاری: ۶۶۳۲: کتاب الایمان والنذور: باب ۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین

☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے اس طرح بلند آواز سے بات کرو جیسے تم آپس میں بلند آواز سے بات کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔﴾ (قرآن: ۴۹:۲)

اس آیت میں اہل ایمان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ اور جب تم نبی کریم ﷺ سے بات کرو تو اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ نیز جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو اس طرح نبی کریم ﷺ کو یا محمد کہہ کر نہ پکارو بلکہ پورے ادب کے ساتھ معزز القاب مثلاً یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو کیونکہ اگر تم نے بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھا تو اس بے ادبی اور گستاخی کی وجہ سے تمہاری ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں گی اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ نبی کریم ﷺ کی بے ادبی اتنا بڑا گناہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں کی خلوص بھری نیکیاں بھی ضائع ہو سکتی ہیں تو ہم جیسے گناہگار اگر بے ادبی کر بیٹھیں تو ان کی نیکیوں کا کیا حشر ہو گا۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اے ایمان والو! (میرے حبیب سے کلام کرتے وقت) ''رَاعِنَا'' نہ کہو بلکہ ''اُنظُرنَا'' کہو اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سنا کرو۔﴾ (قرآن: ۲:۱۰۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب حضورِ اکرم ﷺ کے کسی ارشادِ گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے ''رَاعِنَا'' اس کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی بات پوری طرح سمجھ نہیں سکے، ذرا ہماری رعایت فرمائیں اور بات کو دوبارہ سمجھا دیں لیکن منافقین زبان کو مروڑ کر ''رَاعِیـنَا'' کہتے جس کا معنیٰ ہے ''ہمارے چرواہے'' چونکہ اس لفظ سے بے ادبی اور توہین کا پہلو نکالا جا سکتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آئندہ ' رَاعِنَا'' کے بجائے'' اُنظُرنا' (ہماری طرف نگاہِ کرم فرمائیے) کہا کرو۔ کیونکہ اس لفظ کے معنیٰ میں کسی فاسد احتمال کی گنجائش نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کے متعلق ایسا لفظ بولنا بھی ممنوع ہے جس میں بے ادبی کا احتمال ہو کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ کی توہین کرنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ آپ کے لئے ایسا لفظ بولنے کی اجازت نہیں دیتا جس میں توہین کا احتمال ہو تو ہم ایسے الفاظ اور مناظر کیسے برداشت کر سکتے ہیں جن میں صریح اور واضح توہین موجود ہو۔

نماز اچھی زکوٰۃ اچھی روزہ اچھا حج اچھا مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

بائبل میں مذہبی رہنماؤں کی توہین

☆ جو خداوند کی توہین کرے وہ جان سے مارا جائے گا ساری جماعت اسے سنگسار کرے گی یہ قانون ہر اس شخص کو شامل ہوگا جو خداوند کی توہین کرے خواہ وہ اسرائیلی ہو یا غیر اسرائیلی۔ (دی لیونگ بائبل: احبار: 16:24)

☆ اگر مدعا علیہ خداوند کے مقرر کردہ قاضی یا مذہبی رہنما کا فیصلہ ماننے سے انکار کردے تو اس کی سزا موت ہے اور اسرائیل کو ایسے گناہ گاروں سے پاک ہونا ضروری ہے تاکہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ جو خدا کے فیصلے کو نہیں مانتا اُسے قتل کر دیا جائے گا اس طرح آئندہ لوگ قاضی کے فیصلے کے انکار کی جرأت نہیں کریں گے۔ (دی لیونگ بائبل: استثناء: 17:13-12)

نوٹ: اسلام صرف حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہی نہیں بلکہ تمام انبیائے کرام اور مقدس کتابوں کی تعظیم سکھاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یہ سب (اہل ایمان) اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (نیز وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں سے کسی میں فرق نہیں کرتے﴾ (قرآن: ۲: ۲۸۵) یعنی مسلمان سب انبیائے کرام اور مقدس کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔

۞

اس فلم میں خلاف واقعہ اشارات

یہ فلم اس قابل نہیں کہ اس پر کوئی علمی تبصرہ کیا جائے کیونکہ اس میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ جیسی تاریخ انسانیت کی صادق، امین، معصوم اور فقید المثال ہستی کی شان میں ایسی گھٹیا اور من گھڑت باتیں کی گئی ہیں جو گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں میں کسی بدترین دشمن نے بھی نہیں کیں۔ تاہم مثال کے طور پر میں چند منفی اشارات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں تاکہ قارئین کو علم ہو جائے کہ فلم ساز نے بدترین استہزائی اور شرمناک انداز کے علاوہ کس طرح حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا والد گرامی نامعلوم ہے

حضرت محمد ﷺ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت عبداللہ ہے۔ جیسا کہ علامہ نورالدین حلبی لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب قریش میں سب سے زیادہ خوب صورت اور خوب سیرت تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کی سیدہ آمنہ سے شادی کی جن سے حضرت محمد ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ (السيرة الحلبية: جلد اول: ص ۶۸)

نہ صرف یہ کہ اسلامی لٹریچر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت عبداللہ ہے بلکہ غیر مسلم بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

1. Encyclopedia Britannica: Muhammad in full ABU AL-QASIM MUHAMMAD IBN ABD ALLAH IBN ABD AL-MUTTALIB IBN HASHIM (b. 570, Mecca, Arabia & d. June 8, 632, Medina) founder of the religion of Islam. (Encyclopedia Britannica, volume 8, Micropedia 15th Edition, under Muhammad)

2. Philip K. Hitti: In or about A.D. 571 a child was born to the Quraysh at Makkah. The form which his name takes in the Koran (four times) Muhammad and once Ahmad. The baby's father, Abdullah, died before his birth; the mother, Aminah, when he was about six years old. (History of the Arabs by Philip K. Hitti, page No. 111)

3. Will Durant: In 568 the latter's son Abdallah married Amina, also a descendant of Qusay. Abdallah remained with his bride three days, set out on a mercantile expedition, and died at Medina on the way back. Two months later (569) Amina was delivered of the most important figure in medieval history. (The Age of Faith, from A.D. 325-1300 by Will Durant, page No. 162)

4. D. C. Margoliouth: Mohammed was the child of Meccan parents whose names are given as Abdallah and Aminah. The latter belonged to the Banu Zuhrah, the former was the son of Abd al-Muttalib, of the clan named Banu Hashim. It is certain that the future Prophet's father died before his son was born. (MOHAMMED AND THE RISE OF ISLAM by D. C. Margoliouth, page No. 45)

گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں میں کسی بدترین مخالف نے بھی ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی ولدیت کا انکار نہیں کیا مگر فلم ساز جس کلچر میں رہتا ہے وہاں حرامیوں کی تعداد ترقی پذیر ہے۔ اس لئے اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔

میں اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ نیویارک میں ڈاکٹر غفران کی فارمیسی میں ایک افریقن نوجوان کام کرتا تھا۔ ہر سال اس کی ماں تعطیلات کے لئے امریکہ آتی اور وہ نوجوان دو ہفتے فارمیسی سے چھٹی لے کر اپنی ماں کو سیر و سیاحت کراتا۔ ایک دفعہ ڈاکٹر غفران نے اس نوجوان سے پوچھا کہ ہر سال تمہاری ماں امریکہ آتی ہے تمہارا باپ کبھی نہیں آیا، کیا تمہارا باپ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے؟ اور اگر زندہ ہے تو وہ کہاں رہتا ہے؟ تو اس نوجوان نے کہا: میں اپنے باپ کو نہیں جانتا البتہ اس دفعہ جب میری ماں امریکہ آئے گی تو میں اس سے اپنے باپ کے بارے میں سوال کروں گا۔ چنانچہ جب اس نے اپنی ماں سے پوچھا تو وہ کہنے لگی: دراصل مجھے جب اولاد کی خواہش پیدا ہوئی تو ان دنوں میں فرانس میں تعطیلات گزار رہی تھی اور کئی مردوں کے ساتھ میرا تعلق رہا لہٰذا یہ معلوم کرنا کہ تو کس کا بیٹا ہے اب بہت مشکل ہے۔

۲۔ ورقہ بن نوفل اور قرآن مجید

اس فلم میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے چچا زاد بھائی ورقہ سے مدد مانگتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے لئے تورات اور انجیل سے ایک کتاب بنائے گا۔ لیکن ورقہ جلد ہی فوت ہو گیا اور الہام ختم ہو گیا اس لئے حضرت محمد ﷺ نے خودکشی کی کوشش کی۔ یہ سراسر دھوکہ اور تحریف ہے۔ ریکارڈ کی درستی کے لئے میں نزول قرآن اور ورقہ کا واقعہ بیان کر دیتا ہوں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

اعلان نبوت سے چھ ماہ پہلے نبی کریم ﷺ کو سچے خواب آنے لگے۔ آپ غار حرا میں خلوت فرمانے لگے اور پتھروں نے آپ کو سلام کرنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مکہ میں اس پتھر کو میں آج بھی اچھی طرح پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (مسلم: ۲۲۷۷: کتاب الفضائل: باب ۱)

پہلی وحی کے نزول کی کیفیت

نبی کریم ﷺ غارِ حراء میں تھے کہ فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا: یا محمد انا جبریل و انت رسول الله، ثم قال: اقرأ۔ اے محمد ﷺ میں جبریل ہوں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، پھر اس نے کہا: پڑھیے۔ (تفسیر ابن جریر طبری: سورہ علق) آپ ﷺ نے فرمایا: ما انا بقاری ء میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ I am not a reader تو فرشتے نے مجھے پکڑا اور اپنے سینے سے لگا کر زور سے دبایا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے پکڑا اور سینے سے لگا کر زور سے دبایا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور تیسری بار کہا: پڑھیے۔ میں نے پھر کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے پکڑا اور سینے سے لگا کر زور سے دبایا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور چوتھی بار (اس سورت کی پہلی پانچ آیات تلاوت کر دیں) یعنی ﴿پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا ☆ انسان کو لٹکے ہوئے خون سے پیدا فرمایا ☆ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے ☆ جس نے قلم کے واسطہ سے علم سکھایا ☆ اسی نے انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ ان آیات سے اپنے سینے کو منور فرما کر اس حال میں گھر لوٹے کہ آپ کا دل (وحی الٰہی کے رعب و جلال سے) کانپ رہا تھا۔ جب آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی الله تعالیٰ عنها کے پاس پہنچے تو فرمایا: مجھے چادر اُڑھا دو، مجھے چادر اُڑھا دو۔ انہوں نے آپ ﷺ کو چادر اُڑھا دی۔ جب آپ ﷺ کی گھبراہٹ جاتی رہی تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی الله تعالیٰ عنها کو پورا قصہ سنایا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ رضی الله تعالیٰ عنها نے کہا: ہرگز نہیں، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق میں پیش آنے والے مصائب پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گیا تھا لیکن وہ اس وقت بہت بوڑھا اور نابینا ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا: اے میرے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنو! ورقہ نے آپ سے کہا: اے میرے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا سب بتا دیا۔ یہ سن کر ورقہ نے آپ سے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم کے لوگ آپ کو ملک بدر کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ مجھے ملک بدر کر دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں جب بھی کوئی شخص ایسا پیغام لایا جو آپ

لائے ہیں تو اس سے دشمنی کی گئی ہے۔ اور اگر میں نے آپ کے اس زمانہ کو پایا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا اور جلد ہی فوت ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ کیا تھی؟

☆ یہ گھبراہٹ ایک فطری امر تھا کیونکہ آپ پر وہ عظیم کلام نازل ہوا جس کو پہاڑ جیسی ٹھوس چیز بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا﴾ (قرآن: ۵۹:۲۱) لہٰذا یہ گھبراہٹ کسی کمزوری اور نقص کی دلیل نہیں بلکہ عظمت اور کمال کا ثبوت ہے۔

☆ یہ گھبراہٹ اس لئے نہیں تھی کہ آپ کو اپنی نبوت میں کوئی شک تھا اور آپ کو علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہر امتی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبی کی نبوت پر ایمان لائے اسی طرح ہر نبی پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی اپنی نبوت پر ایمان لائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رسول بھی اور مؤمنین بھی اس پر ایمان لائے جو ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔ (قرآن: ۲: ۲۸۵) امت کو یہ ایمان نبی کی دعوت اور اس کے دلائل سن کر حاصل ہوتا ہے لیکن نبی کے دل میں اپنی نبوت کا عرفان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ کسی دلیل اور معجزہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ حضرت محمد ﷺ کو تو اعلان نبوت سے پہلے ہی اپنی نبوت کے کئی اشارات مل چکے تھے۔ جیسا کہ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا اعلان کرنا چاہا تو آپ ﷺ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ آپ کو اس طرح سلام کرتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ!۔ (مواھب لدنية: جلد اول: ص ۲۰۰)

اب ذرا اندازہ کریں جس نبی کو اعلان نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ کے پتھر بتائیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور غار حرا میں جبریل امین آ کر بتائیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی یہ خیال کرے کہ آپ کو اپنی نبوت کا علم نہیں تھا اس لئے آپ گھبرا گئے تھے تو اسے اپنی تحقیق پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

نبی کی یہ شان نہیں کہ اس پر جبریل امین وحی لے کر نازل ہوا اور اسے خبر نہ ہو کہ اس پر کون نازل ہوا ہے اور کوئی تیسرا شخص (ورقہ بن نوفل) بتائے کہ غار حرا میں ان پر نازل ہونے والا فرشتہ جبریل امین تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے مکہ کے پتھر اور جبریل امین خود بتا چکے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر آپ کو علم تھا تو پھر ورقہ بن نوفل کے پاس کیوں گئے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کیوں کہا تھا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کی کیوں نہیں۔ لیکن یہ سوال اس لئے ہے تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ (قرآن: ۲: ۲۶۰) نبی کریم ﷺ کو اپنی نبوت کا یقین تھا اور یہ بھی یقین تھا کہ جب میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو دعوت دوں گا تو وہ بھی ایمان لے آئیں گی لیکن ورقہ

بن نوفل کے پاس اس لئے گئے تھے تاکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہلے سے اطمینان حاصل ہو جائے۔

خودکشی کرنے والی حدیث

امام بخاری نے حدیث نمبر۶۹۸۲ میں پہاڑ کی چوٹی سے گرانے (یعنی خودکشی کرنے) کا اضافہ کیا ہے۔اس اضافہ کے متعلق امام بخاری نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ہمیں پہنچی ہے۔اور علامہ بدرالدین عینی نے اس اضافہ کے متعلق لکھا ہے: امام بخاری نے اس کی سند ذکر نہیں کی اور نہ اس کے راوی کا ذکر کیا ہے اور نہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے اور نہ ہی یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں معروف ہے۔(عمدۃ القاری: جلد اول:ص ۵۵) علامہ عینی کی اس تصریح کا مطلب یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ اس کے راوی مذکور نہیں ہیں اور کسی دوسرے محدث نے بھی اس کی سند بیان نہیں کی حالانکہ دوسرے محدثین نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے۔اور متن کے اعتبار سے یہ حدیث مدرج ہے کیونکہ اس کے متن کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں بلکہ کسی اور کا کلام درج ہے۔لہٰذا یہ اضافہ سند اور متن دونوں کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور ویسے بھی خودکشی کرنا گناہ ہے اور نبی گناہ کرنے یا گناہ کا ارادہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔بہرکیف اگر اس اضافہ کو صحیح مان لیا جائے تو اس انتہائی گھبراہٹ کی درج ذیل وجہ ہو سکتی ہے:

نزول وحی کے بعد نبی کریم ﷺ کی پہلی گھبراہٹ جس کا آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا، یہ اس احساس ذمہ داری کا نتیجہ تھی کہ کہیں پیغام نبوت پہنچانے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔اور پھر جب کچھ عرصہ کے لئے وحی کا سلسلہ رک گیا تو آپ وحی کے انتظار میں اتنے بیتاب ہوئے کہ آپ نے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ کیا کہ کہیں اس رکاوٹ کی وجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تو نہیں ہے۔جیسا کہ علامہ عینی لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ وحی کا رک جانا کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے نہ ہو،اس خوف کی وجہ سے آپ نے اس اقدام کا ارادہ کیا۔لیکن جب شریعت میں خودکشی سے منع کر دیا گیا تو پھر آپ نے کبھی خودکشی کا ارادہ نہیں کیا۔(عمدۃ القاری: جلد اول:ص ۵۵) ایک دنیاوی محبوب کی ناراضگی ناقابل برداشت ہوتی ہے اور بعض دفعہ محبّ گھبرا کر خودکشی کر لیتا ہے لیکن جب ایک محبّ صادق کو اپنے محبوب حقیقی کے بارے میں ایسا خیال آ جائے تو اس کی گھبراہٹ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ورقہ سے رابطہ سے پہلے قرآن مجید کا نزول شروع ہو چکا تھا اور قرآن مجید کا اکثر حصہ ورقہ کے مرنے کے بعد مختلف حالات کے مطابق نازل ہوا۔اگر قرآن مجید کو ورقہ نے مرتب کیا ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد معراج النبی ﷺ ، جنگ بدر، جنگ احزاب اور جنگ حنین کے واقعات قرآن مجید میں کیسے آ گئے؟ نیز نبی کریم ﷺ کی گھبراہٹ کی وجہ ورقہ کی موت نہیں تھی بلکہ وحی کا رک جانا تھا۔

دراصل جو شخص اکیسویں صدی کی سوپر پاور امریکہ جیسی مضبوط حکومت کے بینک کو دھوکہ دے سکتا ہے اور اپنی شناخت تبدیل کر سکتا ہے تو اس کے لئے ۱۴۰۰ سال پرانے واقعہ کو آگے پیچھے کرنا کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔

۳۔ گدھا پہلا مسلمان جانور ہے

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب گدھے پر سوار ہوتے تھے تو اس وقت گدھا کیا تھا؟ کیا اس وقت گدھا مسلمان نہیں تھا؟ قرآن کہتا ہے: یسبح للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض (آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے) (قرآن: ۱:٦۲)

کائنات کی ہر چیز چاہے وہ جاندار ہے یا بے جان وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے لہٰذا ہر چیز مسلمان ہے سوائے سرکش انسان اور سرکش جنات کے۔ حتیٰ کہ ہر چیز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتی ہے سوائے سرکش جنات اور انسانوں کے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین و آسمان کے درمیان ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں سوائے سرکش جنات اور انسانوں کے۔ (مسند احمد: جلد۳: ص۳۱۰)

۴۔ مسلمانوں نے ایک بوڑھی عورت کو قتل کیا

اس فلم میں ایک غیر مسلم بوڑھی عورت دکھائی گئی ہے جس کی ٹانگوں کو اونٹوں کے ساتھ باندھ کر اسے قتل کر دیا گیا۔ اس منظر سے مسلمانوں کو وحشی اور ظالم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ بالکل غلط بلکہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات ہے۔ دراصل یہ واقعہ اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا ہے جن کو مکہ کے کفار نے شہید کیا تھا۔ جیسا کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ قریش نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو پکڑا اور اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا۔ مگر جب حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا تو قریش نے ان کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا یعنی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے باندھ دی۔ ابوجہل نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے اندام نہانی میں نیزہ مارا اور دونوں اونٹوں کو مختلف سمتوں میں دوڑا دیا یہاں تک کہ چر کر آپ کے بدن کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن اور تفسیر منیر: سورہ نحل (١٦): زیر آیت نمبر ١٠٦) اور آج اکیسویں صدی میں بھی اگر کسی نے کفار مکہ کے اس وحشیانہ کردار کا عملی مظاہرہ دیکھنا ہو تو وہ گوانتانا موبے، افغانستان کی بگرام جیل اور عراق کی ابوغریب جیل کا مطالعہ کرے جہاں غیر مسلم فوجیوں نے مسلمان قیدیوں کر ننگا کر کے ان پر کتے چھوڑ دیئے۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اتنی عزت دی ہے کہ میدان جنگ میں بھی کافر عورت کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غزوہ میں ایک ایسی عورت پائی گئی جو قتل کی گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو ناپسند کیا اور) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (بخاری: ۳۰۱۵: کتاب الجہاد: باب ۱۴۸) حتیٰ کہ مسلمان عورت اگر مرتد ہو جائے تو بھی اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے قید کیا جائے گا اور اس کو دوبارہ اسلام کی دعوت دی

جائے گی۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ج ۵: ص ۴۲۶)

۵۔ نیم عریاں

اس فلم میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کو نیم عریاں حالت میں دکھایا گیا ہے حالانکہ آپ ﷺ کنواری عورتوں سے بھی زیادہ حیا والے تھے۔

☆ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیاء کرنے والے تھے۔ جب آپ کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم آپ کے چہرہ سے پہچان لیتے تھے۔ (بخاری: ۶۱۰۲: کتاب الأدب: باب ۷۲)

☆ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے لئے لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور آپ نے تہبند باندھا ہوا تھا۔ آپ سے آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا: اے میرے بھتیجے! اگر تم اپنا تہبند کھول دو اور اس کو اپنے کندھوں پر پتھر کے نیچے رکھ لو (تو آسانی رہے گی)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے اپنا تہبند کھولا اور جب اسے اپنے کندھوں پر رکھنے لگے تو فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا گیا۔ (بخاری: ۳۶۴: کتاب الصلاۃ: باب ۸)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی نبوت کے اعلان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تمام رذائل اور عیوب سے پاک تھے اور بچپن میں ہی جاہلی خصائل اور قبیح عادات سے بہت دور تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی جبلت میں ایسا حسن اخلاق اور کامل حیا ودیعت فرمایا تھا کہ آپ پردہ نشین کنواری عورتوں سے بھی زیادہ حیا والے تھے۔ (عمدۃ القاری: جلد ۴: ص ۷۲: زیر حدیث نمبر ۳۶۴)

جب نبی کریم ﷺ کعبہ کی مرمت کے لئے پتھر اٹھا کر لا رہے تھے تو چونکہ پتھر کھردرا ہوتا ہے اور اس سے کندھے کے زخمی ہونے کا خدشہ ہوتا ہے اس لئے حضرت عباس نے از راہ شفقت اپنے بھتیجے کو کہا کہ آپ اپنی چادر کھول کر کندھے پر رکھ لیں اور اس کے اوپر پتھر رکھیں تو آسانی رہے گی۔ آپ نے اپنے چچا کے کہنے پر اپنی چادر کھولی اور جب اسے اپنے کندھے پر رکھنے لگے تو فوراً غش کھا کر گر پڑے اور اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک دوبارہ چادر باندھ نہ لی۔ لہٰذا کسی کو آپ کی شرمگاہ دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ نیز حضرت عباس نے صرف چادر کھولنے کا مشورہ دیا تھا، اس میں قمیص کو اتارنے کا ذکر نہیں ہے، اور اہل عرب کی قمیص اتنی لمبی ہوتی ہے کہ اگر تہبند اتار دیا جائے تو بھی عام حالات میں انسان برہنہ نہیں ہوتا لیکن چونکہ پتھر اٹھاتے وقت جھکنے کی وجہ سے برہنہ ہونے کا اندیشہ تھا اور اتنی سی بات بھی آپ کی شان حیا سے فروتر تھی اس لئے شدت احساس سے آپ پر چند لمحوں کے لئے غشی طاری ہوئی اور گرتے ہی ہوش میں آ گئے اور اپنی شرمگاہ کو چھپا لیا۔ لہٰذا نہ آپ اس وقت برہنہ ہوئے اور نہ ہی اس کے بعد آپ کو کبھی برہنہ دیکھا گیا۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے رب کا مجھ پر یہ فضل و کرم ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی: جلد ۷: ص ۸۸: حدیث نمبر ۶۱۴۴، کنز العمال: ۳۲۱۳۴: جلد ۱۱: ص ۴۵۴)

امام زہری بیان کرتے ہیں جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی اس وقت نبی کریم ﷺ بالغ نہیں ہوئے تھے اور ابن بطال بیان کرتے ہیں اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۱۵ سال تھی۔ (عمدۃ القاری: جلد۴: ص ۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعمیر کعبہ کا وہ واقعہ نہیں جس میں آپ نے حجرا سود رکھا تھا اور اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال تھی بلکہ یہ اس سے پہلے آپ کے بچپن کا واقعہ ہے جس میں کعبہ کے کسی حصہ کی مرمت کی جا رہی تھی کیونکہ کعبہ کی عمارت بہت پرانی تھی اور جب کبھی موسلا دھار بارش کے باعث پہاڑوں سے پانی کا ریلہ آتا تو وہ کعبہ کی دیواروں اور کعبہ سے ملحقہ فرش کو نقصان پہنچاتا تھا۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے: نہ میں نے نبی کریم ﷺ کی شرمگاہ دیکھی اور نہ انہوں نے میری شرمگاہ دیکھی۔ (مواہب محمدیہ شرح شمائل ترمذیہ: جلد ,: ۳۵۶ / ۳۵۷، شرح الشفاء: قاضی عیاض: جلد اول: ص ۱۷۱)

جس میاں بیوی کے شرم وحیا کا یہ عالم ہو کہ انہوں نے کبھی ایک دوسرے کی شرم گاہ نہیں دیکھی ان کو نیم عریاں عورتوں میں دکھانا تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا بہتان ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ طبعاً فحش گو نہیں تھے اور نہ تکلف سے فحش باتیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (بخاری: ۳۵۵۹: کتاب المناقب: باب ۲۳) جو ہستی بے حیائی اور بے شرمی کی باتیں نہیں کرتی اس سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بے حیائی کے اعمال (یعنی نیم عریانی) کا ارتکاب کرے گی۔ ایں خیال است ومحال است وجنون۔

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور شادی کا مسئلہ

اس فلم میں ایک شخص دکھایا گیا ہے جو اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ چھوٹی بیٹی کی حضرت محمد ﷺ سے شادی کر دیں۔ جب بیوی کہتی ہے کہ ہماری بیٹی ابھی چھوٹی ہے تو وہ کہتا ہے: حضرت محمد ﷺ بڑے طاقتور اور دولتمند ہیں، لہٰذا یہ شادی ضرور ہو گی۔ میرے خیال میں یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چھوٹی عمر میں شادی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے مستشرقین اکثر اس اعتراض کو دُہراتے رہتے ہیں۔ اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک 54 سال تھی۔ کتب احادیث کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اس وقت 9 سال تھی۔ اسلام میں لڑکی یا لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد جلد شادی کی ترغیب دی گئی ہے اور بعض لڑکیاں خلاف معمول جلد بھی بالغ ہو سکتی ہیں۔ جیسے یورپ و امریکہ میں عام طور پر گیارہ سال کے بعد لڑکیاں بالغ ہوتی ہیں مگر 8 سال کی لڑکیوں کے حاملہ ہونے کی خبریں بھی آ چکی ہیں، تو ہو سکتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی خلاف معمول جلد بالغ ہو گئی ہوں۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بچپن ہی سے بڑی ذہین اور فطین تھیں اور ان سے صغرسنی میں شادی کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا

کہ ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دے کر انہیں اسلام کی نامور معلّمہ اور مبلغہ بنایا جائے لیکن جدت پسند لوگ چونکہ ظاہری احوال کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اور 9 سال کی عمر کو ہی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے میں ایک دوسرا نقطہ نظر پیش کرتا ہوں جس کے مطابق شادی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر 9 سال نہیں بلکہ 19 سال تھی۔ (اس کی تفصیل کے لئے دیکھیں Hazrat A'isha Siddiqah R.A. Page No. 11 to 24) اور علامہ غلام رسول سعیدی بھی لکھتے ہیں کہ اسماء الرجال کی تصریح کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ سے دس سال بڑی تھیں اور اصابہ اور اُسد الغابہ میں تصریح ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 27 سال تھی۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر 17 سال قرار پاتی ہے۔ (شرح صحیح مسلم: جلد 3 :ص 831)) دوسری ہجری میں جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تو ان کی عمر بھی 19 سال تھی۔ اس اعتبار سے شادی کے وقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں کی عمریں تقریباً برابر تھیں۔

لہٰذا جدید تحقیق کے مطابق شادی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر 19 سال اور نبی کریم ﷺ کی عمر 54 سال تھی۔ آج یورپ، برطانیہ اور امریکہ میں 18/19 سال کی لڑکی اگر اپنے سے تین گنا بڑے مرد یعنی 50/60 سال عمر کے مرد سے شادی کرنا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں بلکہ فی الواقع ایسی بے شمار شادیاں ہو رہی ہیں تو پھر صرف نبی کریم ﷺ کو اس شادی کا طعنہ دینا کسی کو زیب نہیں دیتا۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مسئلہ

اس فلم میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی ۶۱ بیویاں بتائی گئی ہے اور اس کثرتِ ازواج کو جنسی تسکین پر محمول کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس تعداد میں پانچ چھ گنا مبالغہ ہے مگر یہ بھی مستشرقین کا پرانا اعتراض ہے۔ اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

اس اعتراض کے لئے نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک پر اگر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو کوئی منصف مزاج آدمی آپ کی کثرت ِ ازواج کو جنسی تسکین پر محمول نہیں کر سکتا کیونکہ نفسانی خواہش کا غلبہ عام طور پر 15 سے 50 سال کی عمر تک ہوتا ہے۔ آپ نے 15 تا 25 سال کی عمر تک اپنی خواہشات پر بے مثل ضبط کا ایسا حسین نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی آپ کی پاکدامنی پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ پھر آپ نے 25 سال کی عمر میں ایک بیوہ (حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے پہلی شادی کی جو عمر میں آپ سے 15 سال بڑی تھیں۔ آپ نے 25 سال کا عرصہ اسی ایک بیوہ خاتون کے ساتھ گزارا۔ ذرہ اندازہ کریں جب آپ ﷺ کی عمر 50 سال تھی اس وقت آپ کی بیوی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 65 سال تھی یعنی بیوی کی پیرانہ سالی کے باوجود آپ ﷺ نے دوسری شادی کا خیال تک نہ کیا اس کے باوجود بھی آپ پر جنسی رغبت سے بے قابو ہونے کا الزام لگایا جائے تو اس سے بڑا جھوٹ شاید دنیا نے کبھی نہ سنا ہو۔

یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوان شباب کا سارا زمانہ اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا

حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی بے راہ روی سے ہو بلکہ آپ کو صادق وامین کے القاب سے یاد کیا جاتا۔ اگر تعدد ازدواجات کی وجہ نفسانی خواہش اور جنسی تسکین ہوتی تو اس کے لئے موزوں وقت جوانی تھی نہ کہ بڑھاپا۔

ایک دفعہ قریش مکہ نے نبی کریم ﷺ کو بلایا اور کہا: اگر آپ اس دین (اسلام) کے ذریعہ مال جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب سے بڑے مالدار بن جائیں گے، اگر آپ شرف وعزت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں حتیٰ کہ آپ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ عورتیں چاہتے ہیں تو آپ قریش کی عورتیں پسند کریں ہم دس عورتوں کی آپ سے شادی کر دیں گے۔ لیکن تم ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ اور اس نئے دین کو چھوڑ دو۔ (سیرت حلبیہ: جلد اول: ص ۴۳۰) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیا جائے اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں، پھر بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے یا میں اس کے حصول میں اپنی عمر تمام کر دوں۔ اور یہ توقع کریں کہ میں توحید کی دعوت کو چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔ (البدایہ والنہایہ: جلد اول: ص ۳۸۳) اس مادی دنیا میں اس سے بڑی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے ملک کا حکمران اور سب سے بڑا مالدار بن جائے۔ اگر آپ ﷺ کے ذہن کے کسی گوشہ میں زیادہ شادیاں اور دولت وحکومت کی خواہش ہوتی تو یہ بہترین پیشکش تھی لیکن آپ کا مشن صرف توحید کی تبلیغ تھی جس کے لئے آپ مصائب کے پہاڑوں سے ٹکرائے مگر توحید کے مشن سے دست بردار نہیں ہوئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے دوسری شادی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کی اور 54 سال کی عمر تک آپ کی ایک وقت میں ایک ہی بیوی رہی دوسری شادیاں 54 سے لے کر 59 سال کی عمر کے درمیان ہوئیں۔ 59 سال کی عمر کے بعد آپ نے کوئی شادی نہیں کی۔ کوئی بھی عقل مند انسان یہ تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ ایک انسان 54 سال کی عمر تک ایک وقت میں صرف ایک بیوی پر اکتفا کرے اور یکا یک اس کے جنسی جذبات میں ایسا طوفان آ جائے کہ وہ زیادہ بیویاں کرنے پر مجبور ہو جائے۔ جبکہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ضبط نفس کے اس اعلیٰ مقام پر فائز تھی کہ صوم وصال کی صورت میں کئی کئی دن کھانے کی ضرورت نہ پڑی تو وہ ہستی پیرانہ سالی کے چند سال ایک بیوی پر اکتفا نہیں کر سکتی تھی؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ کی تمام بیویوں میں صرف ایک (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کنواری تھیں باقی سب عمر رسیدہ بیوہ یا مطلقہ تھیں اور ایک وقت میں زیادہ شادیوں کا سلسلہ بھی اس وقت شروع ہوا جب آپ ﷺ اسلامی ریاست کے واحد فرمانروا تھے اور ہزاروں لوگ آپ کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ اگر آپ کی شادیوں میں جنسی رغبت کا دخل ہوتا تو کنواری عورتوں کا انتخاب کیا جاتا لیکن آپ نے عمر رسیدہ، جہاں دیدہ، ذہین اور دیانتدار عورتوں سے شادیاں کیں تاکہ خواتین کے وہ مسائل (حیض، نفاس اور امورِ زوجیت وغیرہ) جو شرم وحیا کے باعث براہِ راست سمجھانے مشکل تھے ان خواتین کے ذریعہ ان کی تبلیغ کی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شادیوں کی وجوہات

عورت انسانی معاشرہ کی ایک اہم اکائی ہے اس کی اچھی تعلیم وتربیت کے بغیر ایک اچھا معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ نبی کریم ﷺ نے جس معاشرہ میں اسلام کا چراغ جلایا وہ معاشرہ صدیوں سے جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا اور اسلام جو معاشرہ قائم کرنا چاہتا تھا اس میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ممنوع تھا تو معاشرہ کی اس اہم اکائی کی رہنمائی کے لئے بہت سی خواتین کی ضرورت تھی جن کو نبی کریم ﷺ خود تعلیم وتربیت دے کر تیار کریں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو چار سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت دی تاکہ خواتین کی مذہبی رہنمائی کے حوالے سے آپ کوئی کمی یا تنگی محسوس نہ کریں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی حج فرمایا ہے جس کو حجۃ الوداع (یعنی الوداعی حج) کہا جاتا ہے۔ اس حج پر آپ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو ساتھ لے گئے تاکہ سب کو مناسک حج کا براہ راست تجربہ ہو جائے اور دیگر خواتین کو اس کی تعلیم دینے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک بیرونی زندگی جو سب لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور دوسری گھریلو زندگی جس کے نشیب وفراز کو ہر انسان چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی یہ دونوں زندگیاں قابل رشک ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کو ہمارے لئے عمدہ نمونہ قرار دیا ہے اور آپ ﷺ کو دو ایسی مخلص جماعتیں عطا فرمائیں جنہوں نے آپ ﷺ کی ان دونوں زندگیوں کو پوری دیانتداری کے ساتھ امت کے سامنے بیان کیا، ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بیرونی زندگی کو بیان کیا اور دوسری جماعت ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کی تھی جنہوں نے آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کو بیان کیا، گویا دین کا آدھا حصہ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے ملا اور آدھا حصہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے ذریعہ سے ملا۔ حدیث مبارکہ کا ایک کثیر ذخیرہ ازواجِ مطہرات کے ذریعہ امت مسلمہ کو نصیب ہوا۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے تین سو اٹھتر (۳۷۸) روایات کتب احادیث میں موجود ہیں۔

نیز آپ ﷺ نے عرب کے مختلف قبائل سے بھی شادیاں کیں تاکہ ان کے ساتھ تعلقات پیدا کئے جائیں اس طرح اسلام کو مزید وسیع اور مؤثر بنانے میں مدد ملی۔ بہر حال حضورِ اکرم ﷺ کی کثرتِ زوجات کے پس منظر میں بہت سے تعلیمی، سماجی، عائلی، تبلیغی اور سیاسی مقاصد تھے، مثال کے طور پر بعض قبائل اسلام کے خلاف برسرِ پیکار تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ نے ان قبائل کی خواتین سے شادی کی تو اس رشتہ داری کی وجہ سے ان قبائل کی اسلام دشمنی میں کمی واقع ہوگئی اور بالآخر وہ قبائل مسلمان ہو گئے۔

مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کا تجزیہ

محمد (ﷺ) کی شادیوں کے بارے میں جس آخری بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے قریبی ساتھیوں کی شادیوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی رسم تھی جو عربوں میں پہلے سے جاری تھی۔ محمد (ﷺ) کی اپنی تمام

شادیوں میں سیاسی تعلقات میں اضافے کا مقصد کارفرما نظر آتا ہے، خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ شادی سے آپ کو دولت ملی اور مکی سیاست میں آپ کے اثر کا آغاز بھی اسی شادی سے ہوا۔ سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور زینب بنت خزیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی کا سب سے بڑا مقصد مخلص مسلمانوں کی بیواؤں کو باوقار پناہ مہیا کرنا تھا لیکن سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے خاوند کا بھائی ایک ایسا شخص تھا، جس کے متعلق محمد (ﷺ) یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کھل کر آپ کے مدمقابل آجائے۔ اور زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے خاوند کا تعلق قبیلہ بنی مطلب سے تھا، جن کے متعلق محمد (ﷺ) کی خصوصی ذمہ داریاں تھیں، اس کے ساتھ ساتھ محمد (ﷺ) زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اپنے قبیلے 'عامر بن صعصعہ' کے ساتھ بھی اچھے تعلقات بنا رہے تھے۔ مدینہ میں آپ کی پہلی دو بیویاں، عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادیاں تھیں جن کے ساتھ محمد (ﷺ) کا خصوصی تعلق تھا۔ (بعد میں اسی خصوصی تعلق کی بنا پر) عمر (رضی اللہ عنہ) نے بھی محمد (ﷺ) کی نواسی ام کلثوم بنت علی سے شادی کی۔ ام سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) صرف ایک بیوہ ہی نہ تھیں بلکہ وہ مکی قبیلہ بنی مخزوم کے سردار کی رشتہ دار بھی تھیں۔ جویریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں، جن کے ساتھ محمد (ﷺ) کے تعلقات خصوصی طور پر بہت خراب تھے۔ زینب بنت جحش (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) محمد (ﷺ) کی پھوپھی زاد ہونے کے علاوہ قبیلہ بنی عبدشمس کے حلیف قبیلے کی فرد بھی تھیں، لیکن ان کے معاملے میں سماجی محرکات، سیاسی محرکات پر فوقیت لے گئے، کیونکہ اس شادی کے ذریعے محمد (ﷺ) یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ آپ نے پرانی رسموں سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ مکی قبیلہ عبدشمس اور ابوسفیان بن حرب خصوصی طور پر محمد (ﷺ) کی نظر میں تھے۔ ابوسفیان کی ایک بیٹی ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھی جو مسلمان تھی اور اس کی شادی زینب بنت جحش (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ایک بھائی سے ہوئی تھی۔ ان کا خاوند جب حبشہ میں فوت ہو گیا تو محمد (ﷺ) نے ایک قاصد حبشہ اس لئے بھیجا کہ ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے آپ کی شادی کے انتظامات کو آخری شکل دی جائے۔ میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی بھی حضرت عباس سے آپ کے تعلقات کو مضبوط کرنے میں مدد دے سکتی تھی جو میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے برادر نسبتی اور محمد (ﷺ) کے چچا تھے۔ یہودی الاصل عورتوں یعنی صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور ریحانہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے آپ کے تعلق کے مقاصد بھی سیاسی ہو سکتے ہیں۔ (محمد ایٹ مدینہ: منٹگمری واٹ: ص ۲۸۷۔۲۸۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی

نبی کریم ﷺ اگرچہ ہر بیوی کے ہاں باری باری رات بسر کرتے تھے لیکن دن کو بھی ہر بیوی کے حجرہ میں جا کر اس سے انفرادی ملاقات کرتے اور دن میں ایک دفعہ کسی ایک بیوی کے ہاں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کو بلا کر سب سے اجتماعی ملاقات بھی کرتے جس میں باہمی دلچسپی کے امور اور گھریلو معاملات پر تفصیلی بات چیت ہوتی، سب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن بے تکلفی سے اپنے معاملات بیان کرتیں، نبی کریم ﷺ سب کی باتیں غور سے سنتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور اگر کوئی شکر رنجی پیدا ہو جاتی تو بڑی حکمت اور محبت سے اس کا ازالہ فرماتے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر ملی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں ایک یہودی کی بیٹی کہا ہے تو وہ رونے لگ گئیں۔ نبی کریم ﷺ جب ان کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک تم ایک نبی (حضرت ہارون علیہ السلام) کی بیٹی ہو، تمہارے چچا (حضرت موسیٰ علیہ السلام) بھی نبی ہیں اور تم ایک نبی (حضرت محمد ﷺ) کی بیوی ہو، پھر وہ تم پر کیسے فخر کرتی ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے حفصہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو۔ (ترمذی: ۳۸۹۴: ابواب المناقب: باب ۶۳)

☆ حضرت اسود بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نبی کریم ﷺ گھر کے کام کاج اور گھر والوں کی خدمت میں مصروف ہوتے تھے، پھر جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے چلے جاتے۔ (بخاری: ۶۷۶: کتاب الاذان: باب ۴۴)

☆ حضرت ہشام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: جس طرح تم میں سے کوئی ایک شخص کام کرتا ہے، (یعنی) آپ ﷺ اپنے جوتے کی مرمت کر لیتے تھے اور اپنے کپڑے کو پیوند لگا لیتے تھے۔ (مسند احمد: جلد ۶: ص ۱۰۶)

☆ حضرت عمرۃ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ بشروں میں سے ایک بشر تھے، اپنے کپڑے کو صاف کرتے تھے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنی خدمت کرتے تھے۔ (المواهب المحمدية بشرح الشمائل الترمذی: جلد ۲: ص ۳۱۲)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اس قدر زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج کر پھٹ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ کام) بخش دیئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنوں۔ (بخاری: ۴۸۳۷: کتاب التفسیر: سورہ ۴۸)

☆ نبی کریم ﷺ مکہ میں تبلیغ و دعوت کا فریضہ ادا کرنے کے بعد تھکے ہوئے گھر تشریف لاتے، تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد عبادت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرتیں: سارا دن کفار کی دشمنی کی وجہ سے طرح طرح کی مشکلات سے دوچار رہتے ہیں لہٰذا تھوڑی دیر اور آرام کر لیں تو نبی کریم ﷺ فرماتے: مضیٰ عهد النوم ياخديجة ! اے خدیجہ! سونے کا زمانہ گزر گیا ہے۔ (تفسیر فی ظلال القرآن: سورہ مزمل: زیر آیت نمبر ۲)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو نبی کریم ﷺ سے محبت اور نسبت پر اتنا فخر تھا کہ وہ دنیا کی ہر نعمت کو قربان کر سکتی تھیں مگر نبی کریم ﷺ سے علیحدگی کے لئے تیار نہیں تھیں۔ مثال کے طور پر جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مدینہ میں عام مسلمانوں کی معاشی حالت

بہتر ہوگئی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی اپنے نان ونفقہ میں اضافہ کی درخواست کی۔ یہ بات نبی کریم ﷺ کے قلب نازک پر گراں گزری۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اے نبی! آپ اپنی بیویوں کو فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش کی خواہاں ہو تو آؤ میں تمہیں مال ومتاع دے دوں اور پھر بڑی خوبصورتی کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور دار آخرت کا ارادہ رکھتی ہو، تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے﴾ (قرآن: ۳۳: ۲۸ تا ۲۹) جب یہ آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں آج تم سے ایک بات پوچھنے والا ہوں، تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے اس کا جواب دینا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ آیات پڑھیں تو اس کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن نے عرض کیا: کیا میں اس بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ (میرا فیصلہ بالکل واضح ہے) میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو منتخب کرتی ہوں۔ (مسلم: ۵: ۱۴۷۵: کتاب الطلاق: باب ۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی یہی جواب دیا۔ (بخاری: ۴۷۸۶: کتاب تفسیر القرآن: باب ۴) سبحان اللہ! اندازہ کریں! ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو نبی کریم ﷺ سے کتنی محبت تھی کہ انہوں نے دنیوی زندگی کی ساری سہولتوں کو ٹھکرا دیا، فقر وفاقہ کو قبول کیا اور نبی کریم ﷺ سے علیحدگی گوارا نہیں کی۔ باتیں کر لینا آسان ہے لیکن کر کے دکھانا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے گیارہ خواتین کو اپنی بیوی ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ آپ کی دو بیویوں کا آپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا اور آخری عمر میں نو بیویاں ایک وقت میں آپ ﷺ کے پاس جمع تھیں لیکن آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حسن اخلاق اور ان کے درمیان عدل وانصاف کا ایسا مثالی توازن قائم رکھا کہ ہر بیوی نے آپ ﷺ کو اپنا آئیڈیل قرار دیا اور اپنی سوکنوں کے ہوتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ سے الگ ہونا پسند نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب خوش نصیب خواتین سے راضی ہو۔ آمین!

امت مسلمہ کے لئے لمحات فکریہ

اس وقت پوری دنیا کے مسلمان بڑے دکھ اور کرب کی کیفیت سے دوچار ہیں اور یہ کوئی پہلا یا آخری واقعہ نہیں ہے۔ یہ سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا مگر ہم ہر بار اپنی املاک جلا کر اور اپنے بھائیوں کا خون بہا کر خاموش ہو جاتے ہیں اور اس ساری کارروائی کو غیروں کی سازش قرار دیتے ہیں۔ آخر وہ وقت کب آئے گا جب ہم اپنے آپ کو مضبوط کر کے غیروں کو سازش کا موقع فراہم نہیں کریں گے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ (قرآن: ۱۳: ۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی   نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس حوالے سے میں چند تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں اور اہل علم خواتین وحضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلہ پر کثرت سے لکھتے رہیں، ہوسکتا ہے کسی کی تحریر امت مسلمہ کو خواب غفلت سے بیدار کردے۔

قلیل المدتی تجویز

۱۔ اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی اور اسلامی وزرائے خارجہ کی تنظیم اور دیگر شرکائے اقتدار کو چاہیے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی مضبوط حکمت عملی بنائیں اور عالمی اداروں کے سامنے مؤثر طریقہ سے اس مسئلہ کو پیش کریں۔

۲۔ مسلمان حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں اتحاد کریں اور اپنی اجتماعی قوت پر بھروسہ کریں وگرنہ مصر اور لیبیا کی طرح ہر ایک اپنی اپنی باری کا انتظار کرے۔

۳۔ مذہبی اور سماجی رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنے خطابات اور تحریروں کے ذریعہ لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کریں اور تشدد کے نقصانات سے آگاہ کریں۔

۴۔ عام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے حکومتی نمائندوں سے بالمشافہ یا خطوط کے ذریعہ رابطہ کریں اور انہیں اپنے غم وغصہ کا احساس دلائیں۔ نیز اپنے ملکی قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے بھرپور مظاہرے کریں اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرائیں مگر توڑ پھوڑ سے اجتناب کریں کیونکہ پرتشدد مظاہروں سے اپنے ملک کا نقصان اور اسلام کی بدنامی ہوتی ہے اور غیروں کی ہمدردی حاصل کرنے کے بجائے ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔عوام کو معلوم ہونا چاہیے کہ شیطانی کتاب لکھنے والا رشدی، توہین آمیز خاکے بنانے والا ڈینش اور فتنہ فلم بنانے والا ڈچ ایم پی محفوظ مقامات پر ٹی وی کی سکرین پر یہ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے کہ مسلمان کس طرح اپنی املاک کو جلا رہے ہیں اور اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کا خون کر رہے ہیں، اور اس پر ستم یہ کہ وہ یہ سب کچھ اس نبی کے نام پہ کر رہے ہیں جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں۔

طویل المدتی تجویز

تعلیم میں ترقی

برطانیہ کا مشہور مؤرخ Arnold Toynbee کہتا ہے:

Civilizations declined when their leaders stopped responding creatively.

تہذیبیں اس وقت زوال پذیر ہوتی ہیں جب ان کے لیڈر نئے مسائل کا نیا حل پیش نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں اپنے پیارے نبی ﷺ کا ایک عمل ملاحظہ فرمائیں۔ پانچویں ہجری میں قریش مکہ نے عرب کے سارے اسلام دشمن قبائل کو متحد کیا اور دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ طیبہ

پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت اسلامی مجاہدین کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے ملک فارس میں جب کوئی بڑا لشکر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو ہم اپنے شہر کے ارد گرد خندق کھود کر اس کی پیش قدمی روک دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی کیونکہ دانائی کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فوراً خندق کھودنے کا حکم جاری کر دیا۔ آج بھی کچھ ایسے ہی حالات ہیں کہ غیر مسلم طاقتوں نے مسلمانوں کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں پر حملہ کر رکھا ہے اور اسلام کو دہشت گردی کے ساتھ منسلک کرنے کی کوشش جاری ہے مگر ہم نے گزشتہ دس سال کی پٹائی کے باوجود کوئی سبق نہیں سیکھا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

۱۴۲۸ سال پہلے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اس دور کی ترقی یافتہ ایرانی قوم کی حکمت عملی سے استفادہ کیا اور ہنگامی بنیادوں پر خندق کھود کر مسلمانوں کو تباہی سے بچالیا۔ آج بھی اگر مسلمان اس دور کی ترقی یافتہ اقوام کی ٹیکنالوجی سے استفادہ کریں اور ہنگامی بنیادوں پر اقتصادیات، سائنس، بزنس اور میڈیا کے میدانوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو آئندہ نصف صدی میں وہ اس قابل ہو سکتے ہیں کہ اس جدید دنیا میں باوقار طریقہ سے زندگی گزار سکیں اور کوئی ان کے مذہب کے خلاف بات نہ کر سکے کیونکہ مستقبل کے فیصلے اب جنگ کے میدان میں نہیں بلکہ تعلیم اور معیشت کے میدان میں ہوں گے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو　تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

پہلی وحی میں تعلیم کی اہمیت

تاریخ مذاہب میں قرآن مجید پہلی کتاب ہے جس کی سب سے پہلی نازل ہونے والی پانچ آیات میں اللہ تعالٰی نے نماز روزہ اور حج زکوٰۃ کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی ربوبیت کے ساتھ دو دفعہ پڑھنے کا حکم، دو دفعہ پڑھانے کا ذکر، ایک دفعہ قلم یعنی لکھنے کا ذکر اور علق کے لفظ سے سائنسی تعلیم یعنی فزیکل ورلڈ میں تحقیق کی ترغیب دی گئی ہے۔ دور حاضر کے مشہور محقق Maurice Bucaille نے اپنی کتاب The Bible, The Qur'an and Science کے صفحہ نمبر 204 پر لکھتا ہے: ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق کے مختلف مراحل جو قرآن نے 1400 سال پہلے بیان کئے ہیں سائنس نے ان کو اس دور میں دریافت کیا ہے۔ ان مراحل میں سے ایک 'عَـلَق' ہے یعنی ماں کے پیٹ میں پانی کا قطرہ جب clinging clot یا ایک جامد خون کی شکل اختیار کرتا ہے اس کیفیت کو علق کہا جاتا ہے۔ موریس بکیل کہتا ہے: قرآن مجید میں بچے کی تخلیق کے ان مراحل کا پانچ جگہوں پر ذکر ہوا ہے۔ ان میں سے پہلی جگہ پہلی وحی کی دوسری آیت ہے (اللہ تعالٰی نے انسان کو علق سے پیدا فرمایا) اور یہ کوئی معمولی کیفیت نہیں، یہ اتنی اہم ہے کہ اس کی وجہ سے پوری سورت کا نام علق رکھا گیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان دین کے ساتھ ساتھ سائنسی تعلیم میں بھی سرگرم رہے تو وہ Super power رہے لیکن جب سائنس کو چھوڑا تو ذلیل وخوار ہوگئے۔ افغانستان نے بڑے بڑے مفتی، مبلغ اور محدث تو پیدا کئے مگر وہ سائنسدان پیدا نہیں کئے جو جدید میزائل

کا جواب دے سکیں اس لئے شکست کھائی۔اگران کے پاس بھی سائنس اورٹیکنالوجی ہوتی تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔

درسِ قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا ۔۔۔ یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ

آج دنیا میں مسلمان مظلوم ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہے، یہ اسلام پر عمل نہیں کرتے ،اس لئے ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ مجھے اس سے جزوی طور پر اختلاف ہے۔ٹھیک ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے مگر ساری وجہ یہی نہیں ہے۔مکہ میں ۱۳ سال تک مسلمان مظلوم تھے۔وہ کون سا ظلم ہے جو حضرت سمیہؓ،حضرت یاسرؓ اور حضرت بلالؓ پر نہیں ڈھایا گیا۔

کیا کوئی یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ مسلمان مکہ میں اس لئے مظلوم تھے کہ ان میں اتفاق نہیں تھا یا وہ اسلام پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ہرگز نہیں۔دراصل بات یہ ہے کہ اس دور کے ظلم کو روکنے کے لئے افرادی قوت کی ضرورت تھی کیونکہ وہ تلوار کا زمانہ تھا اور one-to-one لڑائی ہوتی تھی اور مسلمانوں کے پاس افرادی قوت نہیں تھی اس لئے مظلوم تھے اور جب مدینہ میں افرادی قوت حاصل ہوگئی تو پھر کوئی مسلمانوں پر ظلم نہ کرسکا۔مکرم قارئین! اُس دور کے ظلم کو روکنے کے لئے افرادی قوت کی ضرورت تھی مگر اس ترقی یافتہ دور کے ظلم کو روکنے کے لئے سائنس اورٹیکنالوجی کی ضرورت ہے۔جب تک ہم سائنس اورٹیکنالوجی میں آگے نہیں بڑھیں گے اسی طرح مار کھاتے رہیں گے۔لہٰذا ظلم سے نکلنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم اتحاد ملت اور دین اسلام کے ساتھ ساتھ سائنس اورٹیکنالوجی میں بھی آگے بڑھیں۔

قوم اُبھرتی ہے نظامِ عقل کی تنظیم سے ۔۔۔ عقل ہوتی ہے منور مَشعل تعلیم سے

گذشتہ صدی میں یہود کا عروج

گذشتہ صدی میں 60 لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔ان کا کوئی اپنا ملک تک نہیں تھا مگر انہوں نے اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے تعلیم ، بزنس ،میڈیا، سائنس اورٹیکنالوجی میں ترقی کی اور آج دنیا کی ترقی یافتہ اقوام میں وہ ایک مؤثر آواز ہیں۔اور اسرائیل کے وجود میں بھی اہم کردار ایک یہودی سائنس دان (یعنی Chaim Weizmann) کا ہے جس نے پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کو Acetone بنا دیا جو بم اور دھاکوں میں استعمال ہوتا تھا۔اس کے بدلے میں نومبر 1917ء Balfour Declaration میں یہ اعلان کیا گیا کہ برٹش حکومت اپنی پوری کوشش کرے گی کہ فلسطین میں یہودیوں کو اپنا ملک مل جائے چنانچہ جب اسرائیل بن گیا تو اس کا پہلا صدر حائم ویزمین کو بنایا گیا۔اور عبدالکلام کو بھی انڈیا کا صدر اس کے سائنسی کارنامے کی وجہ سے بنایا گیا ہے۔انڈیا ہندوؤں کا ملک ہے مگر اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے اس کا صدر مسلمان بنا اور اس کا وزیراعظم سکھ ہے۔ برطانیہ میں بھی اگر مسلمان اپنی عقل اور افرادی طاقت کا صحیح استعمال کریں تو کل کوئی مسلمان برطانیہ کا وزیراعظم بن سکتا ہے۔اگر مسلمان لارڈ ، ایم پی اور وزیر بن سکتے ہیں تو صلاحیتوں کے بل بوتے پر وزیراعظم بننے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ برطانیہ میں یہودیوں کی تعداد صرف تین لاکھ کے قریب ہے مگر ان کے ایم پیز کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے جبکہ

مسلمانوں کی تعداد بیس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ اگر اس تناسب سے آج برٹش پارلیمنٹ میں ہمارے ایم پیز ہوتے تو عراق پر حملہ کرنے کے لئے شاید ٹونی بلیئر کو مطلوبہ ووٹ نہ مل سکتے۔

بعض نادان مسلمان اس حکومت میں شامل ہونے کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی سورہ یوسف کا مطالعہ کریں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک کافر ملک کے کافر حکمران کے وزیر خزانہ کا عہدہ سنبھالا اور جس حسن حکمت سے اسلام کی خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

یورپ اور امریکہ میں رہنے والے نوجوان مسلمانوں سے اسلام کا تقاضا

حضرت یوسف علیہ السلام اور جائم ویز مین کے قصے غور طلب ہیں۔ مجھے آج اسلامی ممالک کے سربراہوں سے کوئی امید نظر نہیں آتی لیکن یورپ اور امریکہ میں رہنے والے نوجوانوں سے میں امید رکھتا ہوں اگر یہ نوجوان حالات کے تقاضوں کے مطابق اسلام پر کاربند رہتے ہوئے دینی اور دنیاوی علوم میں آگے بڑھیں تو مسلم امت کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ اور میں یہ کوئی ہوائی فائر نہیں کر رہا۔ میرے پاس تاریخ کے ثبوت ہیں کہ ظلم کا مقابلہ کرنے اور مسلمانوں کو ذلت سے نکالنے میں نوجوان مردوں اور عورتوں کا نمایاں رول رہا ہے۔

قرآن سے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ بنی اسرائیل مصر کے اندر فرعون کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور ذلت کی زندگی گزار رہے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے کفر اور ظلم کے خلاف آواز اٹھائی تو ابتدا میں جن لوگوں نے ساتھ دیا وہ کون تھے؟ قرآن سورہ یونس آیت نمبر ۸۳ میں ہے بنی اسرائیل کی ساری قوم فرعون کے مظالم سے ڈر گئی صرف چند نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور پھر ان کی ثابت قدمی سے متاثر ہو کر باقی بنی اسرائیل بھی ایمان لے آئے۔

اب آیئے ذرا اس انقلاب پر نگاہ ڈالیں جو 1400 سال پہلے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے سرزمین عرب میں برپا کیا۔ اس انقلاب کے پہلے مجاہدین بھی نوجوان عورتیں اور مرد تھے۔ مکہ میں صرف چند ہستیاں تھیں جن کی عمریں نبی کریم ﷺ سے زیادہ تھی، باقی 80 فی صد teen age اور twenties میں تھے۔ جعفر بن ابی طالبؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، مصعب بن عمیرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زبیر بن العوامؓ اور طلحہؓ وغیرہ یہ سب قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم عمر تھے۔ عمر بن خطابؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی سعید بن زیدؓ وغیرہ یہ سب ۲۰ اور ۳۰ کے درمیان تھے۔ اور اس تحریک میں نوجوان عورتوں کا کردار بھی نمایاں ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی عمر ۱۶ سال تھی جب اسلام قبول کیا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر نبی کریم ﷺ اور اپنے باپ حضرت ابوبکرؓ کے لئے غار ثور میں کھانا لے گئی تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب کی عمر ۲۵ سال تھی جب اس نے اسلام قبول کیا اور حضرت عمر بن خطاب کے مارنے پیٹنے کے بعد زخمی حالت میں کہا اے میرے بھائی! تم میری زندگی ختم کر سکتے ہو مگر میرے اندر سے اسلام نہیں نکال سکتے تو اس ثابت قدمی سے متاثر ہو کر ۲۶ سال کا جوان عمر بن خطاب بھی اسلام لانے پر مجبور ہو گیا۔

آزادیٔ تقریر کا مسئلہ (Freedom of Speech)

اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری بان کی مون اور امریکہ کے صدر باراک اوباما نے اگرچہ اس فلم کی مذمت کی ہے مگر مغرب میں آزادیٔ اظہار کا قانون اس کو حق بجانب قرار دیتا ہے۔ اکیسویں صدی کا یہ عجیب تماشا ہے کہ ایک ہی بات قابل مذمت بھی ہے اور حق بجانب بھی۔ ایک شخص کے دل کو خوش کرنے کے لئے تو قانون ہے مگر ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کرنے والے اور انہیں تشدد پر ابھارنے والے کے خلاف کوئی قانون نہیں ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مغرب کو چاہیے کہ وہ اظہار رائے کی آزادی کے لئے کچھ حدود و قیود مرتب کرے کیونکہ اظہار رائے کی وہ آزادی جو ایک معصوم جان کو نقصان پہنچائے وہ بھی قابل برداشت نہیں ہے مگر یہاں تو اس کی وجہ سے بے شمار جانوں اور املاک کا ضیاع ہو چکا ہے لہٰذا یہ مسئلہ فوری توجہ کا مستحق ہے تاکہ مٹھی بھر انتہا پسند اس کی آڑ میں پورے معاشرے کے امن و سکون کو تباہ نہ کرسکیں۔

آزادی تحریر و تقریر کو موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو بطور خلیفہ پیدا کرنے کا اظہار فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا: کیا تو ایسا شخص خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا؟ (قرآن:30:2) اس سے بڑی آزادی تقریر کی مثال دنیا پیش نہیں کرسکتی کہ اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق، بے نیاز اور ہر چیز کا خالق و مالک ہے وہ کسی کو جواب دہ نہیں پھر بھی فرشتے اس کے سامنے اپنی آزادی تقریر کا حق استعمال کرتے ہیں اور اپنے خدشات کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا لیکن جب کوئی انسان نبی کریم ﷺ کے لئے ایسا لفظ یا ایسا انداز تکلم اختیار کرے جس سے نبی کریم ﷺ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو تو اسے سختی سے منع فرمایا بلکہ اس کے ایمان و عمل کے ختم ہو جانے کی دھمکی دی گئی ہے۔ (قرآن:2:49)

اسلام آزادی تقریر کا سب سے پہلا داعی ہے مگر اس کے لئے مخصوص حدود مقرر ہیں۔ مثلاً: اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ دوسروں کے معبودوں کو گالی نہ دیں اور نہ ان کے بارے میں ہتک آمیز رویہ اختیار کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور (اے مسلمانو!) تم ان کو گالیاں نہ دو جن کی یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے بغیر جانے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے۔﴾ (قرآن:108:6)

اقوام متحدہ سے توہین رسالت پر پابندی کا مطالبہ کرتے ہوئے مجھے بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو بھی اپنے دوہرے معیار سے باہر آنا ہوگا اور ہر مکتب فکر کو اپنا مسلک اپنی مسجد تک محدود رکھنا چاہیے، ٹی وی اور میڈیا پر دوسرے مکتب فکر کی محترم ہستیوں کی توہین سے اجتناب کرنا چاہیے۔

نوجوانوں کے لئے آخری پیغام

میرے پیارے بچو اور میری پیاری بچیو! اللہ تعالیٰ اور اپنے پیارے نبی کی ذات سے محبت کرو ، اسلام پر چلنے کی کوشش کرو۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کرو اور خاص کر سیاست ، میڈیا ، سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھو۔ اگر تم میں سے کسی نوجوان نے کوئی اہم ایجاد کر لی تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے کردار کو دیکھ کر یورپ اور امریکہ کی عوام تمہاری عزت کرے گی اور تمہاری سائنسی تحقیق کو دیکھ کر مغربی حکومتیں تمہاری عزت کرے گی۔

ہمت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے　　　ایسا نہ ہو کہ بلبل روتا چمن سے نکلے

مہلک امراض کے علاج کے لئے تحقیق کرنا ، ملک کی حفاظت اور ترقی کے لئے سائنسدان پیدا کرنا ، انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور انسانی سہولیات میں اضافہ کرنے کے لئے کائنات میں غور وفکر کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ میرے خیال میں آج مسلمانوں کو دنیا میں باوقار زندگی گزارنے کے لئے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا صرف ضروری ہی نہیں بلکہ سب سے مقدم فرض اور افضل عبادت ہے۔

اس افضل عبادت کے سلسلہ میں آج ہماری غفلت کا عالم یہ ہے کہ غیر مسلم چاند پر اتر چکے ہیں اور ہمارے لئے عید کا چاند تلاش کرنا ابھی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ غیر مسلم قومیں کائنات میں غور وفکر کر کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے آسمان پر پہنچ چکی ہیں اور ہم ابھی زمین پر ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں۔

افسوس یہ نہیں کہ ہم ہوئے بے حس　　　افسوس تو یہ ہے کہ احساس بے حسی بھی نہ رہا
وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا　　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جب تک مسلمان کائنات میں غور وفکر کرتے رہے وہ دنیا کو نئی ایجادات سے بہرہ ور کرتے رہے اور دنیا ان کی عظمت کے گیت گاتی رہی لیکن جب مسلمانوں نے تفکر اور تدبر سے پہلو تہی کر لی تو ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر　　　ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر
درس قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا　　　یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

۞

یہ مضمون اردو اخبار (The Nation London) میں صفحہ نمبر ۸ اور ۹ پر جمعہ ۵/ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو شائع ہو چکا ہے۔
یہ مضمون عربی اور انگریزی زبان میں بھی موجود ہے۔ اس کا عربی ترجمہ جناب پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم صاحب نے کیا ہے جو ازہر یونورسٹی (قاہرہ مصر) میں کلیہ دراسات انسانیہ کے شعبہ اردو ادب کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہیں۔ اور انگریزی ترجمہ بختیار حیدر پیرزادہ نے کیا ہے جو جامعہ الکرم کا وائس پرنسپل اور ورلڈ ایسوسی ایشن الازہر گریجوایٹس یوکے برانچ کا وائس پریزیڈنٹ ہے۔